B.A. (HONS.) PART - II
URDU HONS. PAPER - III

Sl. No.	TOPICS	UNIT No.	PAGE
1.	Mazmoon, Moquala Aur Inshaiya Ka Fun	1	1-7
2.	Nairang-e-Khayal Mein Shamil Mazameen Per Omoomi Tabsera	2	8-12
3.	Nairang-e-Khayal Ke Aham Mazameen Ka Fikri Wa Fanni Jaeza	3	13-18
4.	Md. Husain Azad Ka Osloob Nairang-e-Khayal Ke Hawale Se	4	19-23

Unit-I

Mazmoon, Moquala Aur Inshaiya Ka Fun

مضمون، مقالہ اور انشائیہ کا فن

۱۔ مضمون

۲۔ مقالہ

۳۔ انشائیہ

۴۔ محمد حسین آزاد کی شخصیت

۵۔ حاصل کلام

۶۔ مقصد مطالعہ

۷۔ مختصر سوالات

۸۔ طویل سوالات

۱۔ مضمون:

ادبی اصطلاح میں ہر اس تحریر کو مضمون کہتے ہیں جو کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہو۔ انگریزی میں اس کا متبادل لفظ ESSAY ہے لیکن یہ اصطلاح بہت ہی مبہم ہے۔ ابتدائی دنوں میں کسی موضوع یعنی اسکول، کالج سے لے کر عزیز و اقربا کے نام خطوط ''کسی موضوع پر سنجیدہ فکر آرائی، کسی داخلی کیفیت کا حزن آگیں تمثیلی اظہار، کسی اہم شخصیت کے حالات زندگی، روزناموں یا رسالوں کے اداریے جلسوں کی رپورٹ، کسی شخصیت کی فلمی تصویر، کسی پر لطف واقعہ کا دلچسپ اور مختصر بیان''، اس کے دائرہ کار میں شامل تھا لیکن جیوں جیوں زبان اور ادب

میں ترقی کی نئی نئی صنفوں کا وجود ہوا اور اس کا دائرہ کار سمٹ کر ابتدائی تعلیمی شغل وشوق فکر محدود ہو گیا۔ لیکن اس کے ساتھ تین اجزا کا ہونا آج بھی لازم ہے۔

(الف) تناسب۔ تناسب سے مراد یہ ہے کہ مضمون کے ہر پہلو صرف اسی حد تک بحث کرنی چاہئے جتنی مناسب ہو۔

(ب) تسلسل۔ تسلسل سے مراد یہ ہے کہ مضمون میں بیان کی گئی باتیں سلسلہ وار آگے بڑھیں۔ جملہ میں آپسی تعلق اور ربط رہے۔

(ج) زور بیان۔ زور بیان سے مراد یہ ہے کہ الفاظ میں گھلاوٹ اور مٹھاس ہو۔ اسلوب ادا دلکش ہو تا کہ قارب کے اندر بیزاری پیدا نہ ہو۔ ساتھ ہی مضمون نگار کو بازاری اور فحش الفاظ سے پرہیز کرنی چاہئے۔

۲۔ مقالہ

مقالہ ادب کی ایک خاص صنف ہے جس میں سنجیدگی، علمیت، متانت اور دیانت ہوتی ہے۔ مقالہ میں جب بھی کسی سنجیدہ بات پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو قبل سے موجود خیالات ونظریات سے استفادہ بھی کیا جاتا ہے اور اپنے شعور وجدان سے کچھ کورد تو کسی کو مستند بھی کیا جاتا ہے اس کا دائرہ کار بہت ہی وسیع ہے اس لئے مقالہ نگار کے اندر دو بنیادی اوصاف عالمانہ شخصیت اور ادبی مزاج کا ہونا لازمی ہے۔

مقالہ کے اندر علم وحکمت، دانش وفلسفہ یا سائنس کی بلند وارفع باتیں سموتی جاتی ہیں اس لئے مقالہ نگار کو عالم، مفکر، یا سائنس داں کی روش سے پرہیز کرنا پڑتی ہے کیونکہ یہاں کسی جامد نظریہ سے بات نہیں بنتی۔ مقالوں کی زبان میں بھی تناسب تسلسل اور زور بیان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ تبھی مقالہ سنجیدگی بخشتا ہے۔ اس سے جینے اور سنورنے کی امنگ ملتی ہے۔ اس لئے مقالہ نگار کے اندر ایک معلم ادب کی خوبی کا ہونا بھی لازم ہے اور چونکہ کسی معلم کا کام درس وتدریس ہی ہے اس لئے اس کی باتیں عالمانہ، حکیمانہ اور مدلل ہوتی ہیں۔ وہ سنجیدہ بات کہتا ہے اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہتا ہے اس میں متانت کے ساتھ دیانت بھی ہوتی ہے۔ اس کا شیوہ لفاظی نہیں، وہ جانتا ہے، جاننا چاہتا ہے اور جو جانتا ہے وہی بیان کرتا ہے وہ ہمیں گمراہ نہیں کرتا۔ گویا مقالہ ادب کی وہ صنف ہے جس میں سنجیدگی، علمیت، متانت، بصیرت اور دلائل ہوتے ہیں۔

۳۔ انشائیہ

انشائیہ کی اصل انشاء ہے صاحب فرہنگ صفیہ کے مطابق اسی عربی النسل لفظ کے مطالب ہیں (۱) کچھ بات دل سے پیدا کرنا (۲) عبارت، تحریر (۳) علم معانی وبیان، ضائع وبدائع۔ خوبی عمارت، طرز تحریر اور جب اس سے انشاء پردازی بنا تو اس کے معانی (۱) طرز تحریر، عبارت آرائی خط یا عبارت لکھنے کا ڈھنگ، عبارت کی خوبی (۲) مضمون نگاری، مضمون نویسی ہونے جبکہ F.STEIN GASS نے پرشین انگلش ڈکشنری میں انشاء کے معانی CREATING, PRODUCING,COMPOSITION STYL اور THE BELLES LETTER لکھا ہے اور انشاء پردازی کا مطلب ELEGENCE OF STYLE لکھا ہے۔ سید محمد حسنین نے انشاء کا مادہ ''نشاء بتاتے ہوئے اس کے لغوی معنی پیدا کرنا بتایا ہے جبکہ پروفیسر رضی الدین کا بیان ہے کہ انشاء عربی کا لفظ ہے جس کا مادہ ن، ش، ء ہے۔ انشاء کے معنی مادۂ تخلیق کے ہیں۔ عربی لغات میں اس کے معنی نئی چیز بنانا، بلند کرنا، عنفوان شباب اور انشائے کلام کے معنی میں نئی بات وضع کرنا ہے اور اس پر بھی زور دیا ہے کہ انشائیات اصلاً واساساً عمومی ادب ہے لیکن یہ نثر کا باغ نہیں صرف باغیچہ ہے یہ نثر کا دریا نہیں محض

جوئے کم آب ہے۔ یہ حقیقت کی مکمل تصویریں نہیں بلکہ مکمل تصویروں کے صرف وہ خاکے ہیں جو انشاء نگار کی شخصیت نے پیش کئے ہیں۔

اسالیب نثر میں انشائیہ ایک ایسی صنف ہے جس میں انشائیہ نگار، خیال و پیرایۂ خیال کی پُر لطف تازہ کاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ انشائیہ کے اسلوب کی شگفتہ انفرادیت اور اس کے منفرد اسلوب تحریر کے تین اہم پہلو ہیں۔ پہلا پہلو تو یہ ہے کہ انشائیہ نگار اسلوب نگارش کی کشش انگیز تازہ کاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یعنی وہ کاروباری زبان کے استعمال سے گریز کر کے اپنی تخلیقی بصیرت کے تعاون سے ایک ایسا طرز تحریر وضع کرتا ہے کہ اس کے جملے اور الفاظ کشش کے برقی رو کے حامل بن جاتے ہیں۔ جس طرح شاعری میں الفاظ نئی معنویت کے حامل نظر آتے ہیں۔ اسی طرح انشائیوں میں بھی الفاظ کے نئی معنوی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انشائیہ نگار اپنے موضوع کے پوشیدہ مفاہیم کو بھی خوبصورتی سے پیش کر دیتا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ انشائیہ نگار اپنے موضوع کے پوشیدہ مفاہیم کو بھی خوبصورت سے پیش کر دیتا ہے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے خیالات اور تاثرات، انسانی شعور کی توسیع کا سبب بنتے ہیں۔ انگریزی زبان میں عام طور پر اس کے لئے LIGHT ESSAY کی اصطلاح مستعمل ہے صنفی خصوصیت کی بنا پر اس کی انگریزی اصطلاح SOLILOGUY ہونی چاہیے انگریزی انشائیہ نگار جانسن نے لکھا ہے کہ:

"It is a Loose sally of mind"

یعنی انشائیہ دماغ کی ایک ترنگ ہے، آزاد و خوش گوار۔

۴۔ محمد حسین آزاد: حیات، شخصیّت اور کارنامے

محمد حسین نام آزاد تخلص تھا۔ ۱۰ر جون ۱۸۳۰ء بروز جمعرات دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی محمد باقر بڑے عالم تھے۔ شمالی ہند میں اپنی مضمون نویسی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ مولوی محمد باقر نے ہی ۱۸۳۶ء میں دہلی سے اردو کا پہلا اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کے نام سے نکالا تھا۔ جس میں بیشتر قلعہ معلّٰی سے متعلق چیزیں چھپتی تھیں۔ یہ اخبار ہفت روزہ تھا محمد حسین آزاد کے دادا مولانا محمد اکبر خود بھی دہلی کے نامی گرامی عالم دین اور مجتہد تھے۔ ان اجداد عہد نادری میں ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ مولوی محمد باقر دینی تربیت کے پروردہ اور شیعی عقائد کے امام تھے۔ مولوی محمد باقر فرنگیوں کے زبردست مخالف اور بہادر شاہ ظفر کے سخت حمایتی تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جو پہلی ناکام جنگ آزادی ہوئی اور فرنگیوں نے جس طرح ہندوستان میں تباہی مچائی اس کا بیان جیوں ہی ۱۷ر مئی ۱۸۵۷ء کے اخبار میں شائع ہوا انگریزوں نے مولوی محمد باقر کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور بالآخر ایک انگریز آفیسر کے قتل کے الزام میں ملوس کرا کر شہید کروا دیا اور ان کے گھر بار تو کیا ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اردو اخبار کا ایک ایک پرچہ ضبط کر کے بحق سلطنت جلوا دیا گیا۔ اس واقعہ کا اثر آزاد کے ذہن پر اس قدر دردناک ہوا کہ آزاد نے دہلی کو خیرباد کہہ لکھنؤ پہنچے لیکن یہاں بھی قرار نہ پایا تو کچھ دنوں کے بعد دکن گئے پھر لدھیانہ پہنچے اور یہاں سے کچھ دنوں کے لئے ایران چلے گئے اور بالآخر لاہور میں سکونت اختیار کی اور یہیں ۲۲ر جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹ر محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو اپنی جان جان آخریں کے سپرد کر دی اور گورنمنٹ کالج لاہور کے قریب گامے شاہ کربلا میں داتا گنج بخش کے مزار کے متصل ہی ان کی آرام گاہ بنی۔

آزاد نے عربی، فارسی کی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی تھی اور دلّی کالج میں زیر تعلیم تھے یہاں پیارے لال آشوب، مولوی نذیر

احمد، مولانا الطاف حسین حالی، ملوی ذکاء اللہ وغیرہ ان کے ہم مکتب تھے پر والد کی شہادت کے بعد دہلی کو خیر باد کہہ کر جب لکھنؤ پہنچے تو اس عہد کے جید عالموں سے رابطہ کیا لیکن کچھ ہی دن بعد لکھنؤ سے دکن اور دکن سے لدھیانہ پہنچے تو یہاں ان کی ملاقات ارسطو جاہ مولوی رجب علی سے ہوئی اور انہیں کے پریس میں کچھ دن کاتب کی ملازمت کی ان کے کام کے طور طریقے اور انتظامی شعور سے مولوی رجب علی اتنا خوش ہوئے کہ چند ماہ بعد ہی انہیں اپنے پریس کا منیجر بنا دیا لیکن آزاد کی آزاد خیالی کو کسی دوسری دنیا کی تلاش تھی لہذا وہاں چار سال تک ملازمت کرنے کے بعد لاہور چلے گئے۔ وہاں پہلے تو اپنی ڈاکخانہ میں پندرہ روپے ماہانہ پر سررشتہ دار کی ملازمت ملی۔ اسی دوران ان کی ملاقات اپنے قدیم ہم جماعت پیارے لال آشوب سے ہوئی انہوں نے آزاد کو محکمۂ تعلیمات صوبۂ پنجاب کے میجر فلر سے متعارف کرایا جن کو عربی اور فارسی سے گہری رغبت تھی۔ میجر فلر نے آزاد کی صلاحیت سے متاثر ہو کر آزاد کو کچھ اردو اور فارسی کی درسی کتابیں تیار کرنے کو دیں۔ بالآخر اپنی قابلیت اور علمیت کی بنا پر گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے۔

۱۸۸۷ میں جب وکٹوریہ کی جوبلی منعقد ہوئی تو محمد حسین آزاد کو ہندوستان میں سب سے پہلی مرتبہ شمس العلماء کا خطاب ملا۔ جس کے ساتھ گورنمنٹ کی طرف سے پانچ سو روپے سالانہ قلمدان کا خرچ ملتا تھا لیکن مولانا آزاد نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور یہ رقم مستحق طالب علموں کو بطور وظیفے ادا کرنے کی گذارش کر دی۔

محمد حسین آزاد کا حافظہ بلا کا تیز تھا اور ادبی ذوق تو انہیں وراثت میں ملی تھی اس لئے ابتدائے شباب ہی سے معتبر شاعر کے طور پر پہچانے جانے لگے تھے۔ انہوں نے اپنے والد مولوی محمد باقر کے قریبی دوست اور اس عہد کے مشہور شاعر، قصیدہ گو شیخ محمد ابراہیم ذوق سے شرف تلمذ حاصل کی تھی اس لئے ان کے کلام میں حضرت ذوق کے رجحانات کی چھاپ بھی ملتی ہے اور ان کا شمار جدید اردو نظم کے بانی کے طور پر بھی کیا جاتا ہے۔ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مولوی محمد باقر کے ہفتہ روزہ ''دہلی اردو اخبار'' میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا حال چشم دید بیان ہوا تھا اور جس کی وجہ کر مولوی محمد باقر کو قتل کیا گیا اس میں مولانا آزاد کی معرکۃ الآرا نظم ''تاریخ انقلاب عبرت افزا'' بھی شائع ہوئی تھی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہوتا ہے ابھی کچھ سے کچھ یک چشم زدن میں
ہاں دیدۂ دل کھول دے اے صاحب ابصار

ہے کل کا ابھی ذکر کہ جو قوم نصاریٰ
تھی صاحب اقبال وجہاں بخش و جہاں دار

تھی صاحب علم وہنر و حکمت و فطرت
تھی صاحب جاہ وحشم ولشکر جرار

اللہ ہی اللہ جس وقت کہ نکلے
آفاق میں تیغ غضب حضرت قہار

سب جوہر عقل ان کے رہے طاق پر رکھے
سب ناخن تدبر و خرد ہوگئے بیکار

کام آیا نہ علم وہ ہنر و حکمت و فطرت!
پورب کے تلنگوں نے لیا سب کو یہیں مار

یہ سانحہ وہ ہے کہ نہ دیکھا نہ سنا تھا
ہے گردشِ گردوں بھی عجیب گردشِ دوار

نیرنگ کے غور اس کے جو کیجیے تو عیاں ہے
ہر شعبدۂ تازہ میں صد بازی عیار

ہاں دیدۂ عبرت کو ذرا کھول تو غافل
ہیں بند یہاں اہل زباں کے لبِ گفتار

عبرت کے لیے خلق میں یہ سانحہ بس ہے
گر دیوے خدا عقل سلیم و دلِ ہوشیار

اس نظم پر اگر غور کریں تو جہاں ایک طرف فرنگیوں کے کالے کرتوتوں کا نقشہ سامنے آتا ہے تو وہیں اہل ہنر کی خاموشی اور خوف کا منظر ابھرتا ہے لیکن اگر ذوق کے کلام کو سامنے رکھیں تو آزادی کی اس نظم میں ذوق کا انداز بھی جھلکتا ہے۔ لیکن مولانا آزاد کی نثر بھی کافی خوبصورت تھی کیونکہ اس عہد میں اردو ادب کے تمام جواہر پیدا ہوئے اور جن سے آزاد کو کافی رغبت رہی پیارے لال آشوب، مولوی نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی، اور مولوی ذکاء اللہ جیسی سر پرآوردہ شخصیتیں تو دہلی کالج میں انکی ہم جماعت ہی تھیں اور پھر لدھیانہ میں مولوی رجب علی جیسے عالم کی سرپرستی بھی میسر رہی اور ان سب سے بڑھ کر احداد کی وراثت کے طور پر علم و ہنر ہی تو میسر آیا تھا۔ مولانا آزاد کی زندگی بیشتر حصہ دردالم ہی میں گذرا پہلے والد کی شہادت پھر ایک شہر سے دوسرے شہر کی دربدری اور جب لاہور میں ملازمت اور علمی قاموں کا سلسلہ ہوا تو ان کی لاڈلی بیٹی عین عنفوانِ شباب میں محبوب حقیقی سے جاملیں جس کا اثر ان پر اتنا گہرا ہوا تقریباً دیوانگی کی حالت ہوگئی تھی۔ دراصل آزاد کو دو ہی اولادیں تھیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام اپنے استاد کی عقیدت میں انہوں نے محمد ابراہیم رکھا تھا اور پیار ابرو، کہا کرتے تھے جو پنجاب میں منصفی کے عہدہ پر فائز تھے ۱۹۲۰ء میں انتقال کر گئے۔ کثیر الاولاد تھے جبکہ بیٹی کا نام امت السکینہ تھا۔ جن کی شادی خلیفہ محمد کاظم ششن جج ریاست پنجاب سے کی تھی۔ آزاد نے اپنی بیٹی کو بڑے شوق سے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم دی تھی۔ آزاد کی تمام کتابوں کے مسودے وہی تیار کرتی تھیں۔ آغا محمد اشرف جو محمد حسین آزاد کے پوتے ہیں کا بیان ہے کہ ''نصیحت کا کرن پھول'' جو مولانا آزاد کے نام سے شائع ہوئی ہے امت السکینہ ہی کی تصنیف ہے لیکن آزاد نے کہیں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے ہاں ''سیر ایران'' کے صفحہ 40 پر اتنا ضرور لکھا ہے کہ:

''میری اس بیٹی (امت السکینہ) کی موت جو مجھے سات بیٹوں سے گراں تھی میری تصنیفات میں میرا دہنا ہاتھ تھی۔ اس کے مرنے سے میرا دل ٹوٹ گیا اور تصنیفات کا قلمدان الٹ گیا یہاں تک کہ اکثر ہوشمندوں کو جنون کا شبہ ہو گیا۔''

لیکن متعدد تذکروں میں اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ امت السکینہ کے انتقال کے بعد مولانا آزاد کی حالت میں دیوانگی غالب ہوگئی تھی۔ وہ کبھی کبھی تختی کے ذریعہ روحوں کو ملائے دیکھے گئے تنہائی خود ہی خود میں باتیں کرتے دیکھے گئے۔ اور اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ آزاد لاہور سے دہلی پیدل ہی پہنچ گئے اور کچھ اس حال میں کہ عمامہ غائب، جوتا ندارد، اور تمام دلّی میں شور کہ آزاد اس صورت سے وارد ہوئے ہیں رشتہ منتیں کرتے کہ میرے گھر چلئے مگر ان کا حال یہ کہ کبھی حضرت استاد ذوق کی قبر پر پہنچتے، کبھی شہر، کبھی جنگل کی طرف اور تا مرگ یہی حال رہا۔ لیکن جب کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو لکھتے ہی گئے۔

مولانا محمد حسین آزاد جدید اردو نظم کے بانی بھی تھے اور ایک صاحب طرز انشاء پرواز، مورخ اور محقق بھی۔ آزاد کے کلام میں لفظی کاریگری نہیں ہے بلکہ صاف و سادہ اور سلیس زبان میں شاعری کو زندگی، عہد، تجربات سے ہم آہنگ کرنے کی کامیاب کوشش ملتی ہے لیکن استاد ذوق کے اثر سے ان کا کلام آزاد بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بھی محاورہ بندی کا لطف ملتا ہے اور لطافت و شوخی کی کہیں کہیں جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

مولانا آزاد کے علمی کارنامے شش جہات ہی انکی تصنیفات و تالیفات میں فارسی ریڈریں۔۲ حصے، اردو قواعد، اردو کا قاعدہ، قصص ہند، جامع القواعد، رسوم ہند، آب حیات، نیرنگ خیال، دیوان نظم دل افروز، نظم آزاد، قند پارسی، نصیحت کا کرن پھول، سخندانِ فارسی، دیوان ذوق، دربار اکبری، نگارستان پارس، سپاک نحاک، جانورستان، فلسفہ انبیات، مجموعہ مکتوبات کے علاوہ ان کی مثنویاں ''شب قدر''، صبح امید گنج قناعت، داد انصاف، اور خواب امن، اردو ادب کے لئے قیمتی اثاثہ ہیں۔

لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ آب حیات، آزاد کی بہترین تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ کہ اس میں زبان اردو کی تاریخ اور مشہور شعراء کے حالات، کلام کے نمونے کے ساتھ ہی نہیں بلکہ دلچسپ اور فاضلانہ تنقید کے ساتھ مزین ہے اور ان سب کے بیان میں آزاد نے جو طریقہ اپنایا ہے باجو طرز نو ایجاد کی؟ اسی کے باعث ان کی شخصیت میں تشخص اور عبارت میں تاریخی شعور کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور جس کے مطالعہ کے بعد یہ رائے بھی قائم کی جاسکتی ہے کہ آزاد علم لسان کے بھی ماہر تھے۔ ''آب حیات'' کی انشاء پردازی بھی اپنی مثال آپ ہے اور اس کے بعد ان کا جو کارنامہ ہے وہ نیرنگ خیال ہے جس میں ان کی انشاء پردازی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔

۵۔ حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد نے ہر چند کہ دولت و ثروت کی فرش پر اپنے وجود کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں پھر بھی اپنی علمی صلاحیت، بصیرت اور انتھک محنت کے ذریعہ جو کچھ حاصل کیا وہ مومن کا ورثہ بن گیا اردو شعر ادب کی شاہکار تاریخ کا اہم باب بن گیا۔ جس سے قائم دنیا تک آنے والی نسلیں فیضیاب ہوتی رہیں گی۔ انہوں نے شاعری کی، مضامین لکھے، مقالے لکھے، تمثیلی قصے لکھے، قواعد لکھی اور تاریخ کے ایسے اوراق لکھے جس میں اسلامی معاشرے کی تہذیب و تمدن نہ صرف یہ کہ محفوظ ہوگئی بلکہ یکجا ہو کر ہمیں کسر فیض کی دعوت دیتی ہے۔

۶۔ مقصد مطالعہ:

ہمیں اپنے وجود کی بقا کے لئے، بہتر مستقبل کے لئے ایسی شخصیتوں اور ایسی شخصیتوں کی تحریروں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے کہ ان سے جینے کا سلیقہ، سم آلود ماحول میں نکھرنے کا طریقہ اور حوصلہ میسر آتا ہے۔ اس سے ہماری فکر میں بالیدگی اور شعور میں پختگی آن آتی ہے آگے بڑھنے اور مستقبل کو سنوارنے کا قرینہ بھی اسی سے ملتا ہے۔

۷۔ مختصر سوالات:

۱۔ مضمون کی تعریف اپنی زبان میں کیجئے؟

۲۔ انشائیہ سے کیا مراد ہے؟

۳۔ مضمون اور مقالہ کے درمیان واضح فرق کیا ہے؟

۴۔ محمد حسین آزاد کی مثنویوں کے نام لکھیں۔

۵۔ محمد حسین آزاد نے شاعری میں کس کی شاگردگی قبول کی تھی؟

۶۔ محمد حسین آزاد کی دو معرکتہ آرا کتابوں کے نام بتایئے۔

۸۔ طویل سوالات

۱۔ مضمون، مقالہ اور انشائیہ میں فرق واضح کیجئے۔

۲۔ محمد حسین آزاد کے اردو کارناموں کا تعارف کرایئے۔

۳۔ محمد حسین آزاد کی شخصیت پر جامع نوٹ لکھئے۔

از : ڈاکٹر حامد علی خاں
شعبۂ اردو، آر۔این۔کالج
حاجی پور (ویشالی)

Unit-2

Nairang-e-Khayal Mein Shamil Mazameen Per Omoomi Tabsera

''نیرنگ خیال'' میں شامل مضامین پر عمومی تبصرہ

۱۔ تعارف

۲۔ ''نیرنگ خیال'' کے مضامین

۳۔ نیرنگ خیال کے مضامین پر عمومی تبصرہ

۴۔ حاصل کلام

۵۔ مقصد مطالعہ

۶۔ مختصر سوالات

۷۔ طویل سوالات

۱۔ تعارف:

''نیرنگ خیال''، شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد (پ ۱۸۳۰ء و ۱۹۱۰) کے تمثیلی مضامین کا مجموعہ ہے اور دو حصّوں پر مشتمل ہے پہلا حصّہ اگرچہ ۱۸۷۴ء میں تیار ہو گیا تھا لیکن ۱۸۸۰ء میں پہلی بار مطبع مفید عام، لاہور سے بہ اہتمام گلاب سنگھ مہتمم شایع ہوا جبکہ دوسرا حصّہ آزاد کے انتقال کے تیرہ سال بعد آغا محمد طاہر نے ۱۹۲۳ء میں شایع کیا۔

۲۔ نیرنگ خیال کے مضامین:

نیرنگ خیال، کے حصّہ اول میں ''فہرست مطالب'' اس طرح ہے۔

۱۔ دیباچہ
۲۔ اردو انگریزی انشاء پردازی پر کچھ خیالات
۳۔ آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا۔
۴۔ سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ
۵۔ گلشن امید کی بہار
۶۔ سیر زندگی
۷۔ انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔
۸۔ علوم کی بدنصیبی
۹۔ علمیت اور ذکاوت کے مقابلے
۱۰۔ شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار

جبکہ حصہ دوم میں فہرست مطالب، اس طرح ہیں۔

۱۔ جنت الحمقا
۲۔ خوش طبعی
۳۔ نکتہ چینی
۴۔ مرقع خوش بیان
۵۔ سیر عدم
۶۔ بقائے دوام

۳۔ مضامین پر عمومی تبصرہ۔

محمد حسین آزاد نے ''نیرنگ خیال، حصہ اول کے دیباچہ میں اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اے جوہر زبان کے پرکھنے والو، میں زبان انگریزی میں بالکل بے زبان ہوں اور اس ناکامی کا مجھے افوس بھی ہے۔ اردو کے میدان میں بھی سوار نہیں پیادہ ہوں اس لئے یہاں بھی درماندہ ہوں۔ یہ چند مضمون جو لکھے ہیں نہیں کہہ سکتا کہ ترجمے کئے ہیں۔ ہاں جو کچھ کانوں نے سنا اور فکر مناسب نے زبان کے حوالے کیا ہاتھوں نے اسے لکھ دیا۔ اب حیران ہوں کہ نکتہ چیں اسے دیکھ کر کیا سمجھیں گے۔''

مولانا آزاد نے انگریزی زبان سے اپنی بے زبانی کا اظہار کیا ہے یہ تبھی سچ ہوتا ہے جب وہ اردو کے میدان میں خود کو پیادہ نہ کہتے۔ یعنی آزاد بہ یک وقت عربی، اردو، فارسی اور انگریزی زبان پر یکساں دسترس رکھتے تھے اور ابتک کی تحقیق نے اس بات کو ثابت کر دیا

ہے کہ ''نیرنگ خیال''، میں شامل مضامین ہر چند کہ تمثیلی قصہ ہیں پر طبعزاد نہیں بلکہ اس کا ماخذ انگریزی مضامین ہی ہیں۔ ڈاکٹر محمد صادق نے تو اپنی تحقیقی تصنیف ''محمد حسین آزاد احوال و آثار'' مطبوعہ لاہور میں نیرنگ خیال کے دونوں حصّوں کے مضامین کے انگریزی ماخذ بھی جمع کر دیئے ہیں اور موازنہ کے لئے انگریزی مضامین کے اقتباسات کے ساتھ ساتھ آزاد کے متعلقہ اقتباسات بھی دیئے ہیں جس کے مطالعہ و تجزیے کے بعد یہ بات تو سمجھ میں آجاتی ہے کہ آزاد کے یہ تمثیلی قصّے لفظ بہ لفظ مکمل ترجمہ نہیں ہیں پر انگریزی تمثیلی قصوں کو اپنی زبان میں تحلیل کرتے ہوئے تمثیلی پیرائے میں منتقل کرنے کی حسین و کامیاب کوشش ضرور ہے۔ نیرنگ خیال کے دونوں حصّوں کو ملا دیں تو تمثیلی قصّوں کی مجموعی تعداد ۱۴ آتی ہے۔ ان میں سے تیرہ مضامین کے انگریزی ماخذ کا پتہ دیتے ہوئے ڈاکٹر صادق نے اس ترتیب میں لکھا ہے جسے ڈاکٹر سلیم اختر مصنف ''انشائیہ کی بنیاد'' نے بھی اسی ترتیب میں استفادہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا۔

An Allegorical History of Rest and Labour - Johnson.

۲۔ سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ ۔ Truth, False Hood & Fiction an Allegory - Johnson

۳۔ گلشن امید کی بہار ۔ The Garden of Hope, A Drean - Johnson

۴۔ سیر زندگی ۔ The Voyage of Life - Johnson

۵۔ انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔

The Endeavour of Mankind to get rid of their burdens, a dream - Addison.

۶۔ علوم کی بدنصیبی۔ The Conduct of Patronage - Johnson

۷۔ علمیت اور ذکاوت کے مقابلے۔ An Allegory of wit and Learning - Johnson

۸۔ شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار۔

Vision of the tables of fame, No. 81. The tatlor paradise of fools - Parnell

۹۔ جنت الحمقا۔ Paradise of Fools - Parnell

۱۰۔ خوش طبعی۔ The Spectator No. 35 - Addison

۱۱۔ نکتہ چینی ۔ An Allegery of criticism - Johnson

۱۲۔ مرقع خوش بیانی۔ The Spectator No. 63- Addison

۱۳۔ سیر عدم۔ The Spectator No. 501- Addision

۱۴۔ بقائے دوام۔ The Spectator No. 460 - Addison

گویا ہر چند کہ نیرنگ خیال محمد حسین آزاد کے طبعزاد تمثیلی مضامین کا مجموعہ نہیں لیکن اپنے طرز نگارش کے لحاظ سے آج تک اردو میں بے مثال ہے کیوں کہ مولانا آزاد کو اردو میں انشاء پردازی کے بلند مقام پر پہنچانے میں آزاد کی اسی کوشش کو اولیت حاصل ہے اور

اردو میں صنف انشائیہ کی روایت بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے گویا آزاد نے ہی اردو کے تخلیقی ادب کو ایک نئی صنف سے آشنا کرایا۔ آزاد نے انگریزی ماخذ کو اردو میں منتقل کرنے کا جو انوکھا سلیقہ اردو ادب کو دیا وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔ پنڈت برج موہن تاتریہ کیفی جو ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ علمی و تحقیقی نیز لسانی موضات پر گہری پکڑ رکھتے تھے نے ''نیرنگ خیال'' کو اسم بامسمّٰے قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> ''یہ نثر ہزار نظم کی کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ رنگین بیانی کا ایک دل فریب مرقع ہے۔ اخلاقی اور تمدنی اصلاح کا ایک اور پختہ کار دستور العمل ہے۔ پند و نصائح کا ایک دفتر ہے۔ استعارے اور تمثیل میں وہ وہ مطلب کی باتیں بتا گئے ہیں کہ پڑھنے والا شستہ خیال سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس کتاب نے اردو نثر کی نئی طرز قائم کی اور تمام پہلے کی نثر کی کتابوں کے آگے ایک خط وحدانی کھینچ دیا۔''

کیونکہ یہ انشائیے بڑے سلیقہ سے لکھے گئے ہیں۔ ان میں موزوں اور انداز بیان دونوں کا کمال نظر آتا ہے۔ آزاد کے انشائیوں کا کمال یہ بھی ہے کہ ان میں جذبہ کی شدت اور تخیل کی بلند پروازی شباب پر ہے۔ لیکن اگر موضوع کی بات کی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمثیلی قصّوں کا موضوع بنیادی طور پر انسانی زندگی کے بعض اہم اور بنیادی حقائق ہیں جن کو آزاد کے وسیع مطالعہ و مشاہدے نے شدّت کے ساتھ محسوس کیا تھا اور قومی و ملی اصلاح کے لیے اپنے شدت احساس کو تخیل کے سہارے کچھ اس طرح پیش کر دیا کہ ان کے تقریباً تمام تمثیلی قصّے شروع سے آخر تک دل چسپی قائم رکھنے میں نہ صرف کامیاب رہے بلکہ مقصد تحریر میں بھی کسی حد تک کامیابی حاصل کرتی ہے۔ اگر ان انشائیوں کا بغور مطالعہ کریں تو گلشن امید کی بہار''، ''آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا'' شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار'' یقیناً ایسے انشائیے ہیں جن میں آزاد کا انسانی شعور اپنے معراج کمال پر نظر آتا ہے۔

ان انشائیوں کے مطالعہ کے بعد یہ تاثر نمایاں ہوتا ہے کہ درحقیقت انسانی زندگی اور اس کے نشیب و فراز کو سمجھنے، سمجھانے کی خواہش ہی نے ان انشائیوں کا تار و پود تیار کیا ہے۔ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے، اپنے ارتقائی سفر میں وہ کن حالات سے دوچار ہوتی ہے۔ موت کیا ہے۔ انسانی زندگی پر اس موت کے کیا اثرات ہوتے ہیں اور انسان پر اس کے ہاتھوں کیا کچھ گزرتی ہے۔ اس موت کے باوجود انسان کو دوام کیسے نصیب ہوتا ہے۔ یہ انشائیے ایسے ہی اہم سوالات کے گرد گھومتے ہیں۔ ان انشائیوں میں آزاد نے ایسے ہی سوالوں کے جواب دیے ہیں اور اس طرح انسانی زندگی کے ان گنت معاملات اور مسائل کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آزاد نے اپنے ان انشائیوں کے ذریعہ انسانی اور اسلامی معاشرے تو بے جا توقعات سے پرہیز سے بھی ہدایت کی ہے اور نیک عمل کی تلقین بھی کی ہے۔ اور بیان واقعہ میں انشاء پردازی کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں جن کی خوشبوئیں آج بھی سیراب کر رہی ہیں۔

۴۔ حاصل کلام :

حاصل کلام یہ ہے کہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نہ صرف یہ کہ صفِ اوّل کے انشاء پرداز، صنف انشائیہ کے بانی، جدید اردو نظم کے موجد، مورخ اور محقق تھے بلکہ قومی اور اسلامی معاشرے کی عملی زندگی کو سنوارنے کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔ اسلامی تعلیمات کو عوام تک

پہنچانے کے جذبہ کے تحت ہی انہوں نے انشائیہ نگاری کی طرف رخ کیا اور جس جس نے ان کی تحریروں کر پڑھا اور سمجھنے کی کوشش کی دونوں جہاں میں کامیابی حاصل کرنے کی راہ اختیار کی۔

۵۔ مقصد مطالعہ :

آزاد اور آزاد کی ایسی تحریروں کو نصاب میں شامل کرنے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ ہم نئی نسل کی ایسی اصلاح کریں کہ ان کے اندر بگڑتے ماحول میں بھی سنورنے کا سلیقہ، نکھرنے کا شعور اور بہتر کل کی آرزو جاگ اٹھے۔

۶۔ مختصر سوالات :

۱۔ کیا نیرنگ خیال کے قصے طبعزاد ہیں؟
۲۔ انشائیہ نگاری کی ابتدا کس نے کی؟
۳۔ نیرنگ خیال حصہ دوم کا مرتب کون ہے؟
۴۔ نیرنگ خیال میں تمثیلی قصوں کی مجموعی تعداد کیا ہے؟
۵۔ کیا نیرنگ خیال میں شامل تمثیلی قصے مضمون کہے جاسکتے ہیں؟
۶۔ محمد حسین آزاد کا مقصد حیات کیا تھا؟

۷۔ طویل سوالات:

۱۔ ''نیرنگ خیال'' اور آزاد پر عمومی تبصرہ کیجئے؟
۲۔ ''نیرنگ خیال'' کی ادبی اہمیت کیا ہے اور اس کا تعلق کس صنفِ ادب سے ہے؟
۳۔ ''نیرنگ خیال'' تحریر کرنے کے پیچھے آزاد کا مقصد تحریر کیا تھا؟
۴۔ آزاد کے کسی دو انشائیے پر تبصرہ کیجئے۔
۵۔ نیرنگ خیال میں شامل مضامین پر عمومی تبصرہ کیجئے۔

از : ڈاکٹر حامد علی خاں
شعبۂ اردو، آر۔این۔کالج
حاجی پور (ویشالی)

Unit-3

Nairang-e-Khayal Ke Aham Mazameen Ka Fikri Wa Fanni Jaeza

''نیرنگ خیال'' کے اہم مضامین کا فکری وفنّی جائزہ

۱۔ تعارف

۲۔ ''نیرنگ خیال'' کے اہم مضامین

۳۔ حاصل کلام

۴۔ مقصد مطالعہ

۵۔ مختصر سوالات

۶۔ طویل سوالات

۱۔ تعارف:

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے تمثیلی مضامین کا مجموعہ ''نیرنگ خیال'' دو حصّوں پر مشتمل ہے یہ کوئی طبعزاد تخلیق نہیں ہے بلکہ انگریزی مضامین کے مفہوم کو اپنی زبان میں تحلیل کر کے پیش کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ کوئی بھی تحریر بلاوجہ یا بے مقصد ضبط تحریر میں نہیں آئی بلکہ فن کار کے ذہن و دل میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے تبھی کوئی تحریر یا فن پارہ عالم وجود میں آتا ہے۔ اور یہ صداقت ہے کہ فن کاروں کا مرتبہ بہت ہی بلند ہوتا ہے اور ایسے فن کار جو اسلامی معاشرے کی تہذیب اور زبان کی اصلاح کے لیے فن پاروں کی تخلیق کرتے ہیں وہ ''تلمیذ رحمانی'' ہوتے ہیں یعنی وہ براہ راست خدا کے شاگرد ہوتے ہیں جیسے حقیقی شعراء کے لیے قرآن مجید کے انیسویں پارہ میں ایک مکمل آیت کریمہ ''الشعراء'' موجود ہے۔ جس میں خداوند قدوس نے حقیقی اور اصلاحی شعرا کے مقام کا تعین کیا

ہے۔محمد حسین آزاد کے ان مضامین کی بطن میں بھی اسلامی معاشرے کی اصلاح بھی مقصد ہے۔ساتھ ہی ساتھ زبان کی بتدریج اصلاح اور اس کے فلاحی منصوبوں پر زور دینے کی وکالت بھی دیکھنے کو مل جاتی ہے۔

۲۔ نیرنگ خیال کے اہم مضامین:

نیرنگ خیال، کے حصہ اوّل میں تمثیلی مضامین کے علاوہ ایک مضمون ''اردو اور انگریزی انشاء پردازی پر کچھ خیالات'' عنوان کے تحت بھی شامل ہے۔اس مضمون میں آزاد نے جہاں دونوں زبانوں کے ارتقائی سفر اور بتدریج ارتقا سے بحث کی ہے وہیں طلبہ وطالبات یا قاری کو یہ مشورہ دے دیا ہے کہ:

> ''میرے دوستو! کسی زبان کو لفظوں کے اعتبار سے مفلس یا صاحب سرمایہ کہنا بے جا ہے ہر زبان اہل زبان کے باعلم ہونے سے سرمایہ دار ہوتی ہے اور کسی ملک والے کا یہ کہنا کہ علمی تصنیف یا بات چیت میں اپنے ہی ملک کے الفاظ بولیں بالکل بیجا ہے۔''

گویا محمد حسین آزاد یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اگر اپنی زبان کو بچانا اور فروغ دینا چاہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کریں اور ایسے عالم پیدا کریں جو اپنی زبان میں دوسری ہمعصر زبانوں اور محاوروں کو اپنی زبان میں تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ساتھ ہی وہ اس بات پر بھی زور دینا چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنی زبان کے بہتر مستقبل کے لیے اپنے ملک کی ہی زبان کا استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس زبان کا تعلق صرف زبان تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ زبان کے حوالے سے ہم اپنی تہذیب سے بھی روبہ رو ہوتے رہتے ہیں۔اور تہذیب کی جڑیں اس مٹی سے ملی ہوتی ہیں جس میں انسان وجود کی آنکھیں کھولتا؟ اور یہی مٹی اور زبان انسان کی شناخت کا شناخت نامہ IDENTITY CAR ہوتا ہے اور اس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب انسان اپنی زبان سے دور ہوتا ہے تو تہذیب سے دور ہونے لگتا ہے اور جب تہذیب سے الگ ہونے لگتا ہے یا دوسری تہذیب کو اپنا لباس بنانے لگتا ہے تو اس کے قدم اپنی مٹی سے اکھڑنے لگتے ہیں اور تب اس کے سامنے شناخت کا مسئلہ یعنی IDENTITY CRISIS رونما ہونے لگتی ہے۔

''نیرنگ خیال'' حصہ اوّل کا پہلا تمثیلی مضمون آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا۔دراصل انگریزی انشاء پرداز جونسن (Johnson) کے مضمون "AN AILEGORICAL HISTORY OF REST AND LABOUR" لفظ یہ ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم ہے۔جسے آزاد نے اپنے مخصوص اسلوب میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔اس تمثیلی قصہ کو پیش کرتے وقت غالباً آزاد کے سامنے جو مقصد تھا وہ اسلامی معاشرے کو انسانی زندگی کے نشیب وفراز سے روشناس کرانے کا اس قصہ کو آزاد نے اسلامی تاریخ کے حوالے سے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ نے یہ باغ دنیا کس کے لیے اور کس طرح بنائی لیکن ہم نے اس سے کتنا استفادہ کیا یہ دنیا کس قدر مبارک تھی لیکن ہماری ذہنی کاوائی نے اسے کس قدر مکدر بنا دیا۔یعنی ہم نے جب اصل تعلیم یا رہنما اصولوں کا دامن جیسے جیسے چھوڑنا شروع کیا تو اس باغ

کا رنگ کیا سے کیا ہو گیا۔ پھر آزاد نے انسانی معاشرے کو اپنے مخصوص انداز سے بینائی کھوئی ہوئی رونق اور انسانی معاشرے کے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے بحال کرنے کے لئے کئی مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔ دو مختصر مگر معنی خیز جملے ملاحظہ ہوں:

''دیکھو اب انسان کی نیت میں فرق آتا ہے اور کیا جلد سزا پاتا ہے''

''اب پچھتانے سے کیا حاصل ہے ہاں ہمت کرو اور محنت پر کمر باندھو''

گویا مولانا آزاد اس تمثیلی قصہ کے ذریعہ اسلامی نظام کے اس نکتہ کو بھی ظاہر کرتے ہیں کہ انسانی معاشرے کو اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ اس کا عمل اجر سزا و جزاء کے طور پر چونکہ اسی دنیا میں میسر آنا ہے اس لیے عمل میں صالح نقطۂ نظر اور سچی محنت ولگن کے لیے ہر وقت پابہ رکاب رہنا چاہیے اور پچھتانے سے کوئی حاصل نہیں۔ ضرورت ہے کہ انسان اپنے غلط کاموں کا احاطہ کرے، اپنے کیے پر نادم ہو اور نئے سرے سے اپنے اعمال کی اصلاح کے ساتھ میدان عمل میں داخل ہو جائے۔ اور ان سب واقعہ کے بیان میں آزاد نے زندگی کے ایسے ایسے فلسفے کو نہایت ہی صاف وسادہ اور شیریں لب ولہجہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کو کسی قسم کی بیزاری کا احساس نہیں ہوتا۔ اس میں آزاد نے منظر کشی کا جو طریقہ اپنایا ہے وہ بھی ایسا کہ قاری اس کی سحر انگیزی میں ڈوبتا جاتا ہے۔

جبکہ ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ'' بھی جونسن (JOHNSON) کے مضمون "TRUTH, FALEHOOD & FICTION : AN ALLEGORY" کے مفہوم کو اپنی زبان میں پیش کرنے کے عمل پر مبنی ہے۔ جو ہر چند کہ انسانی صفات کے دو اہم اجزا ہیں لیکن اس سے آنکھیں چار کرنے کی محبت کم ہی لوگوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مجرد خیالات ہیں۔ لیکن آزاد کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ انہوں نے ان دونوں مجرد خیالات کو انسانی صفات سے آراستہ کر کے جس طرح پیش کیا ہے وہ ان ہی کی فلسفہ بیانی یا فلسفہ دانی کا کمال تھا۔ مثلاً آزاد نے صداقت کو ''صداقت زمانی'' کہا ہے اور اس کو سلطان آسمانی کی دختر قرار دیا ہے۔ انہیں ملہ دانش خاتون کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ غور کیا جائے تو صداقت و دانش مجرد خیالات ہیں جس کو مجسم کرتے ہوئے آزاد نے دانشمندوں اور صداقت میں گہرا ربط دکھایا ہے۔ اگر اس تمثیلی قصہ کو بغور دیکھیں تو یہ راز پوشیدہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ صداقت زمانی کو سلطان آسمانی سے یہ حکم ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں جا کر نور پھیلائے اور جس وقت یہ حکم صداقت زمانی کو ملتا ہے اس وقت خدا کے دربار میں ''دروغ دیوزاد'' بھی موجود تھا۔ موقع پا کر وہ بھی صداقت زمانی کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ غور کریں تو دروغ بھی ایک مجرد خیال ہے جس تو مجسم کر دیا گیا ہے اور دیوزاد کہا گیا۔ اس پورے قصہ میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دروغ کو کامیابی تیزی سے ملتی ہے کیونکہ وہ بہروپیا ہے وہ ہر موقع و مصلحت کے وقت خود کو بدلتا جاتا ہے ہر چند کہ یہ اصل کامیابی نہیں بلکہ فریب نگاہ ہے لیکن انسان کا عالم یہ ہے کہ وہ اکثر اس کی گرفت میں آجاتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ دروغ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ آزاد نے اس قصہ کے ذریعہ صداقت کو بھی مشورے دیئے ہیں کہ اسے اپنے اصولوں میں تھوڑی لوچ رکھنی چاہیئے تا کہ اس کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں ختم ہو سکیں۔ گویا آزاد نے سچ اور جھوٹ کو منشکل کر کے نہایت ہی پُر اثر انداز میں ان کی خصوصیت واضح کر دی ہے اور اس طرح انسانی معاشرے کے لیے ایک دستور العمل اخلاقی بنیاد پر مرتب کر دی ہے کہ جس پر عمل کرے انسانی معاشرہ دنیا میں کامیابی کو سر کر سکتا ہے۔

''علوم کی بدنصیبی'' جونسن (JOHNSON) کے انگریزی تمثیلی قصہ THE CONDUCT OF PATRONAGE" کے مفہوم کو اردو میں منتقل کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس قصہ میں آزاد نے زندگی کی ایسی کریہہ حقیقت کی

تصویر پیش کی ہے جس سے آج عالمی منظر نامہ متاثر ہے۔یعنی صاحب علم لوگوں کی باتیں عوام النساس تک نہیں پہنچ پارہی ہیں اس لئے صاحب علم نے گوشہ نشینی یا خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔اس کے برعکس بے علم یا کم علم لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی بے جا خودنمائیوں کی بنا عام انسانوں کے ذہن ودل پر حکمران کا سکہ جمع ڈالا ہے۔آزاد نے اس قصہ میں بھی کئی مجرد خیالات مثلاً فہم وادراک، امید قسمت علوم وفنون کو مجسم کر کے زوردار فلسفیانہ بحث کی ہے۔اور اس قصہ کے دو مرکزی کردار سلطان آسمانی اور ملکہ علم افروز ہیں۔آزاد نے اس قصہ کے ذریعہ زیرلب یہ بھی بیان کردیا ہے دنیا کی بے ثباتی کی وجہ صرف نااہل، کم علم سے نہیں بلکہ اس کی پشت پر اہل علم کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ اہل علم بھی کبھی کبھی نااہلی کو ساتھ لیتے ہیں یہ اس کا نتیجہ ہے اور اس بات کا اشارہ ہمیں ملکہ علم افروز کے کردار میں پوشیدہ دکھایا گیا ہے۔اگر غور سے دیکھیں تو آزاد کے اس تمثیلی قصہ کی اہمیت حال کے تناظر میں اور بھی بڑھاتی ہے کہ آج زندگی کے تمام شعبوں میں زوال کی وجہ بھی یہی ہے کہ اساتذہ فن نے تنگ نظر شاگردوں کی اتنی بڑی تعداد چھوڑ دی ہے کہ معاشرہ تیزی کے ساتھ روبہ زوال ہوتا جارہا ہے۔

آزاد نے اس قصہ کو مکمل کرنے کے لیے کئی زوایے نکالے ہیں ایک زوایہ ہے کہ خیال ایک اقلیم ہے۔مضاحت ایک ملک جس کے بادشاہ کا نام ملک الکلام ہے۔ملک الکلام نے دو شادیاں رچائی ہیں پہلی بیوی کا نام فرحت بانو تو دوسری کا نام دانش خاتون ہے۔فرحت بانو کی بطن سے جو بیٹی پیدا ہوتی ہے اس کا نام ذکاوت رکھا گیا ہے اور دوسری بیوی کی بطن سے جو بیٹی پیدا ہوتی ہے اسے علمیّت نام دیا گیا ہے آزاد نے اس حصہ کو علمیت اور ''ذکاوت'' ہی کے خیال ومکالمے پر موقوف کردیا ہے اور ایسے ایسے شگفتہ فلسفے کو مجمع کیا ہے کہ قاری کے ذہن کی تمام پرتیں کھلتی جاتی ہیں بالآخر آزاد نے اس مضمون کو اس نکتہ پر مکمل کردیا ہے کہ علم اور زکاوت کے امتزاج کے بغیر نہ کوئی معاشرہ ترقی کرسکتا ہے اور نہ فرد۔

جبکہ ''انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا'' ایڈیسن (Addison) کے مضمون THE ENDEAVOUR OF MANDKIND TO GET RID OF THEIR BURDENS:-ADREAM کے مفہوم کو اردو میں منتقل کرنے کی ایک نایاب کوشش ہے۔اس قصہ میں آزاد نے انسانی نفسیات کی پرتوں کو کھولنے کی کوشش کی ہے اور یہ سچ ہے انسانی قناعت کا قائل نہیں اور وہ بہتر سے بہتر صورت میں آنے کے بعد بھی عزیز ہنری کے لئے سرگرم وکوشاں رہتا ہے جس کے نتیجے میں اس کا ایمان وایقان میں کمزور، و ناتواں ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی تو وہ اپنے اسی عمل سے عروج سے زوال کی طرف پلٹنے لگتا ہے۔جبکہ شریعت قناعت پسندی کو پسند کرتی ہے اور دونوں جہان میں کامیابی وکامرانی کا انحصار بھی اسی پر ہے اس قصہ میں آزاد نے اس فلسفہ پر اظہار خیال کیا ہے کہ ''اگر ہم اپنی اپنی مصیبتوں کو آپس میں بدل بھی سکتے تو پھر ہر شخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو اچھا سمجھتا'' اور یہ امر واقعہ ہے۔

''گلشن امید کی بہار'' بھی جونس (Johnson) کے مضمون THE GRADEN OF HOPE, A DREAM کے مفہوم کو اپنی زبان میں اپنی فکر کے ذریعہ اردو میں تخلیقی قوت کے ساتھ پیش کرنے کی آزاد کی کامیاب کوشش ہے۔ہاں اگر انگریزی قصہ اور اردو میں منتقل قصہ کا موازنہ کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قصہ کا بیشتر حصہ انگریزی قصہ کا ترجمہ ہی ہے۔لیکن آزاد کے اسلوب تحریر کا یہ کرشمہ ہے کہ یہ قصہ کم وبیش تمام ذی روح کی زندگی کا اٹوٹ حصہ واقعی بن گیا ہے اور یہ سچ ہے کہ ہر انسان امید ہی کے سہارے پر نقل وحرکت کرتا اور منزل کی تلاش میں سرگرم رہتا ہے۔اور مومن کے لیے تو یہ ایک بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ دونوں عالم کو جیت پاتا ہے جبکہ نا امیدی کفر ہے اور موت کے مترادف ہے۔مولانا آزاد نے امید کو ایک گلشن کا نام دیا ہے اور یہ سچ ہے کہ امید کا باغ بہت دلکش رکھتا ہے۔

انسان امید کے سہارے ہی زندگی کی الجھنوں اور پریشانیوں کو جھیلتا ہے لیکن آزاد کا بیان ہے کہ دور سے امید کا باغ جس قدر حسین معلوم ہوتا ہے قریب جانے پر اس کی حقیقت کچھ اور ہی کھلتی ہے۔

''مگر جوں جوں آگے بڑھتا گیا زیادہ حیران ہوتا کیا کیونکہ جو ہریالی سامنے سے لہلہاتی نظر آتی تھی پاس پہنچ کر اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی اور میوے تو گر ہی چکے تھے۔''

لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ جب مایوسی سامنے آنے لگتی تو پھر انسانی نئی توانائی جمع کرنئی امیدیں ہی اس کا سہارا بنتی ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان اس کا دامن نہیں چھوڑتا۔ مولانا آزاد نے اس حقیقت کا قصہ باغ امید کے دونوں دروازوں پر موجود دو دارونحہ دانش اور خیال کے وسیلہ سے آگے بڑھایا ہے اور یہ بات واضح کی ہے کہ جو لوگ 'دانش' کے دروازے سے باغ امید میں داخل ہوئے ہیں وہ مشکل سے دوچار ہوئے ہیں اور گھٹن محسوس کرتے ہیں جبکہ جو لوگ باغ امید میں خیال کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں وہی کامیابی کی منزل کو پاتے ہیں اور یہ راستہ آسان بھی ہے۔

جبکہ ''سیر زندگی'' جو انگریزی مضمون THE VOYAGE OF LIFE کا مفہوم آزاد کی زبانی ڈھلا ہے انسانی زندگی کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ اپنے اس مضمون میں آزاد نے انسان کی پوری زندگی کو تین حصوں ''بچپن'' جوانی اور بڑھاپا میں منقسم کرتے ہوئے ایک ایسا سبق آموز قصہ بیان کیا ہے کہ جس سے انسان کی پوری زندگی سامنے آجاتی ہے۔

آزاد نے بچپن کو نہر سے تشبیہہ دی اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہنروں کو بچانے کی ذمہ داری ملاحوں کی ہے اور اگر ملاح ہوش مند نہیں تو سینکڑوں زندگیاں برباد غارت ہوسکتی ہیں یعنی چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت پر اگر والدین توجہ دیں یا لاپرواہی کریں تو وہ زندگی برباد ہوجاتی ہے جبکہ جوانی کو آزاد نے دریا سے تشبیہہ دیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ دریا کے کنارے پر کچھ گلزار ہیں جن میں تاریکی ہی تاریکی ہے یعنی جوان میں انسان کئی طرح کی مادی اور نفسانی خواہشات سے دوچار ہوتا ہے اور اسے جوانی کی جولانی میں کچھ نظر نہیں آتا ہے ایسے میں وہ دریا ہی کی طرح اکثر سمت بدلتا رہتا ہے لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جوانی کے عالم میں فہم وادراک کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے تاکہ یہ ہلاکت کا سبب نہ بن سکے بلکہ سماج ومعاشرہ کا اٹوٹ حصہ بنے۔ عمر کے آخری حصہ بڑھاپہ کو آزاد نے یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اس سے غفلت نہیں برتنی چاہیے کیونکہ اس منزل میں داخل ہوتے ہی عام خیال یہ ہوتا ہے کہ چلو اب کیا کرنا ہے تھوڑا آرام کرلیں کیونکہ اب تو چل چلاؤ کا وقت ہے لیکن جب اس فکر کے تحت جسم میں خرابیاں آنے لگتی ہیں تو طبیب کی حکمت بھی کام نہیں آتی اور موت اس کے قریب سے قریب تر ہوجاتی ہے اور ذمہ داریاں جو اس کے سد تھیں پڑی رہ جاتی ہیں اور ایسے لوگ مرکر زندگی سے تو نجات پالیتے ہیں لیکن دراصل نجات نہیں بلکہ فرار ہے اور انسان تو ہر مرحلے میں ہوشیار رہنا چاہئے۔

المختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد نے اپنے مخصوص انداز سے ہمیں زندگی سیر جس حسین انداز سے کرائی ہے وہ ہمارے لیے سبق آموز بھی ہے اور حقیقت کی عکاسی بھی۔

۳۔ حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ مولانا آزاد کے یہ تمام تمثیلی مضامین صرف اپنی زبان دانی کا سکہ جمانے کی خاطر نہیں لکھے گئے بلکہ ان مضامین کے لکھنے کے پیچھے آزاد کا مقصد یہ تھا کہ آنے والی نسل کو زندگی کے تمام مسائل اور مدارج سے گزرنے کا ایک سلیقہ اور ہنر بتایا جائے تاکہ یہ

آنے والے کل سے مقابلے کے لیے بہتر طور پر ذہنی طور سے تیار رہ سکیں اور اپنی زندگی کو سجاتے ہوئے قوم کی نمائندگی کر سکیں۔

۴۔ مقصد مطالعہ :

آزادی کی ایسی تحریروں کے مطالعہ کا جواز یوں فراہم کیا جاتا ہے کہ اس سے انسانی زندگی سنورتی ہے سنور سکتی ہے جوان تحریروں کو بذات پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرے گا نہ صرف یہ کہ اس کی زبان میں شیرینی پیدا ہوگی بلکہ زندگی کا مقصد سمجھ سکے گا اور اپنے سماج کا اہم حصہ بن پائے گا۔

۵۔ مختصر سوالات:

۱۔ سیر زندگی کا مقصد کیا ہے؟

۲۔ آزاد نے ایسے قصے کیوں لکھے؟

۳۔ سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ کا موضوع کیا ہے؟

۴۔ آزاد نے بچپن اور جوانی کو کس سے تشبیہہ دی ہے؟

۶۔ طویل سوالات

۱۔ مولانا آزاد کے کسی ایک مضمون کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے؟

۲۔ مولانا آزاد نے اپنے انشائیوں کے ذریعہ عوام کو کیا پیغام دیا ہے۔

۳۔ سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ کا قصہ ہماری زندگی سے کتنا دور اور کتنا پاس ہے؟

۴۔ نیرنگ خیال کے اہم مضامین کا فکری وفنی جائزہ پیش کیجئے۔

از : ڈاکٹر حامد علی خاں
شعبۂ اردو، آر۔این۔کالج
حاجی پور (ویشالی)

Unit-4

Md. Husain Azad Ka Osloob Nairang-e-Khayal Ke Hawale Se

محمد حسین آزاد کا اسلوب ''نیرنگ خیال'' کے حوالے سے

۱۔ تعارف
۲۔ اسلوب
۳۔ محمد حسین آزاد کا اسلوب
۴۔ حاصل کلام
۵۔ مقصد مطالعہ
۶۔ مختصر سوالات
۷۔ طویل سوالات

۱۔ تعارف :

اسلوب دراصل عربی لفظ ہے جو مذکر واحد سے مشتق ہے جس کی جمع اسالیب مذکر ہے اسے اگر صحت کے ساتھ پڑھنا ہے تو الف پر پیش لگاتے ہوئے پڑھا جائے یوں اکثر لوگ الف پر زبر لگا کر پڑھتے ہیں۔ لغات Diction Aies میں پیش ہی کی آواز کو تسلیم کیا گیا ہے انگریزی زبان میں اسے Style کہتے ہیں جبکہ یونانی میں Styles اور لاطینی میں Stylus اُسلوب کا ہم معنی ہے ہندی میں اسے شیلی (शैली) کہتے ہیں۔

۲۔ اسلوب :

اسلوب ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ایک ہی عہد کے کئی فن کاروں کو ایک دوسرے سے الگ پہچان دیتا ہے کیونکہ ہر مصنف یا فن کار کا زبان کے استعمال کے سلسلے میں اپنا ایک مخصوص رویہ اور منفرد انداز ہوتا ہے جو اسے دوسرے مصنف یا فن کار سے ممیز کرتا ہے انگریزی مصنف ہربرٹ ریڈ (۱۸۹۳۔۱۹۶۸) کا بیان ہے کہ ''جس طرح ایک زبان کے محاورے کا سچائی کے ساتھ دوسری زبان کے محاورے کا سچائی کے ساتھ دوسری زبان کے محاورے میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح کسی مصنف کے اسلوب کو جو کہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے نہ تو کوئی دوسرا مصنف اپنا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی نقل یا تقلید کر سکتا ہے''۔ لیکن یہ سچ ہے کہ جب کوئی بھی نثر نگار پختہ فن کار بن جاتا ہے تو کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے سے قبل وہ یہ ضرور دیکھتا ہے کہ موضوع کے مطالبات کیا ہیں وہ ایک ہی لاٹھی سے تمام موضوعات کو نہیں ہانکتا وہ اصناف و موضوعات کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور اقتصادی مطالبات کے پیش نظر اپنے قلم کو جنبش دیتا ہے یہ اس کا بنیادی وصف ہوتا ہے اور اس کے اسلوب کے زندہ علامت بھی جو اس کی شناخت کا موجب بن جاتی ہے۔

۳۔ محمد حسین آزاد:

محمد حسین آزاد کو بھی اس بنیادی وصف پر عبور تھا کیونکہ وہ بیک وقت اردو، فارسی عربی اور انگریزی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور اپنے عہد کے تمام علماء ادب میں یکتا تھے اور انہیں یہ ملکہ حاصل تھا کہ موضوع کے اعتبار سے اپنے اسلوب کو بید طولہ کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً زبان کے ارتقا سے بحث کرتے تو ان کا اسلوب صرف ایک فاضل استاد کا ہوتا تذکرہ لکھتے (آب حیات) تو ان کا اسلوب صرف محقق اور ناقد کا اسلوب کچھ طرح ہوتا کہ اس عہد کے باکمال صاحب علم بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ اور ان کی انشاء پردازی سر دھنتے رہئے مہدی افادی نے تو آزاد کے عہد کے تمام صاحب قلم فن کاروں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے کہا کہ:

''سرسید سے معقولات الگ کر دیجئے تو کچھ نہیں رہتے۔ نذیر احمد بغیر مذہب کے لقمہ بھی نہیں توڑ سکتے شبلی سے تاریخ لے لیجئے تو قریب قریب کورے رہ جاتے ہیں حالی بھی جہاں تک نثر کا تعلق ہے سوانح نگاری کے ساتھ چل سکتے ہیں لیکن آقائے اردو یعنی پروفیسر آزاد صرف انشاء پرواز ہیں جن کو کسی اور سیارے کی ضرورت نہیں''، شبلی نے تو آزاد کی انشاء پردازی خصوصاً نیرنگ خیال'' کے اسلوب سے متاثر ہو کر جوش عقیدت میں آزاد کو خدائے اردو کہہ دیا ہے اور مولوی محمد یحیٰ نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''نیرنگ خیال کی نثر ہزار نظموں پر فوقیت رکھتی ہے۔ رنگین بیانی کا ایک دل فریب مرقع ہے۔ اخلاقی اور تمدنی اصلاح کا ایک پختہ کار دستور العمل ہے۔ پند و نصائح کا دفتر ہے۔ استعارے اور تمثیل میں مطالب کی باتیں بتا گئے ہیں کہ پڑھنے والا مشستہ خیالات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس کتاب نے اردو نثر کی نئی طرز قائم کی۔ اگرچہ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اس کتاب میں زیادہ تر انگریزی روش کا پرتو ہے جس میں مضمون نویسی کی جدید طرز کا چربہ اتارا ہے۔''

دراصل آزاد کے اسلوب کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہے کہ ان کے تخیل کی پرواز بہت ہی بلند ہے اور وہ عبارتوں میں جا بجا تشبیہات و استعارات کا استعمال خوب خوب کرتے ہیں اور جو بھی تشبیہہ و استعارہ استعمال کرتے ہیں وہ قریبی دنیا کا نہیں ہوتا بلکہ اسکا اصل حقیقت تک

رسائی عام قاری کے لیے مشکل ہوتی ہے اور ان کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ خطابت کا لہجہ بھی خوب خوب اپناتے ہیں مثلاً اے راہ امید کے مسافرو''اے محنت کشو'' یا پھر یہ بھی کہ 'کیوں آزاد! آزاد کے اسلوب کا یہ سب وہ انوکھا انداز ہے جو اس عہد کے کسی دوسرے ادیب کے یہاں عنقاء ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آزاد کے اُسلوب کا انداز ابتک کسی نے اتارنے کی کامیاب کوشش نہ کی ہر چند کہ کوشش ضرور کی۔ مولانا آزاد کے اُسلوب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ چند نمونے بغور مطالعہ میں لائے جائیں۔

''ایک حکیم کا قول ہے کہ زندگی ایک میلہ ہے اور اس عالم میں جو رنگا رنگ کی حالتیں ہم پر گذرتی ہیں یہی اس کے تماشے ہیں۔ لڑکپن کے عالم کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے نوجوان ہوئے اور پھر پختہ سال انسان ہوئے۔ اس سے بڑھ کر بڑھاپا دیکھا اور حق پوچھو تو تمام عمر انسانی کا عطر وہی ہے۔

(اقتباس از۔ سیر زندگی)

''بقائے دوام دو طرح کی ہے کہ ایک تو وہی جس طرح روح فی الحقیقت بعد مرنے کے رہ جائے گی اس کے لیے فنا نہیں۔ دوسرے وہ عالم پادگار کی بقا جس کی بدولت لوگ نام کی عمر سے جیتے ہیں اور شہرت دوام کی عمر پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے کام جن جن سے ہوئے یا تو ثواب آخرت کے لیے یا دنیا کی ناموری اور شہرت کے لیے ہوئے''

(اقتباس از۔ شہرت عام اور بقائے دوام)

''انسان کی طبیعت کو خدا نے انواع واقسام کی کیفیتیں عطا کی ہیں مگر زمین جس قدر تخم امید کو پرورش کرتی ہے۔ اسی کثرت سے کسی کیفیت کو سرسبز نہیں کرتی اور کیفیتیں خاص خاص وقت پر اپنا اثر کر اٹھتی ہیں۔ یا مقتضائے سن خاص عمروں میں ان کے اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر امید کا یہ حال ہے کہ جس وقت اس بات کی تمیز ہونے لگی کہ حالتِ موجودہ ہماری کچھ خوش حال یا بدحال بھی ہوسکتی ہے اس وقت سے اس کی تاثیر شروع ہوجاتی ہے۔

امید ایک رفیق ہمدم ہے کہ ہر حال اور زمانے میں ہمارے دم کے ساتھ رہتا ہے۔ دم بدم دلوں کو بڑھاتا ہے اور سینے کو پھلاتا ہے۔

(اقتباس از۔ گلشن امید کی بہار)

اور اب دیکھئے کہ آزاد تشبیہ واستعارے کا استعمال کس طرح کرتے ہیں اور ان کے جملے کس حسن کے ساتھ رواں، شیریں اور فرحت بخش بنتے جاتے ہیں۔

''دیکھنا کیا ہوں ایک غول ہندوستانی شعراء کا آرہا ہے ان میں ایک شخص جو بات کرتا ہے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ لوگ ساتھ ساتھ دامن پھیلائے تھے۔ مگر بعض پھولوں میں کانٹے ایسے ہوئے تھے کہ لوگوں کے کپڑے پھٹے جاتے تھے پھر بھی مشتاق زمین پر گرنے نہ دیتے تھے۔ کوئی نہ کوئی اٹھا لیتا تھا۔ وہ مرزا رفیع سودا تھے۔

میر بددماغی اور بے پروائی سے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے شعر پڑھتے اور منہ پھیر لیتے تھے۔ درد کی آواز دردناک دنیا کی بے بقائی سے جی بیزار کیے دیتی تھی۔ میر حسن اپنی سحر بیانی سے پرستان کی تصویر کھینچتے تھے، انشاء قدم قدم پر نیا بہروپ دکھائے تھے۔ جرأت کو اگرچہ کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا مگر جب وہ میٹھی آواز سے ایک تان اڑاتا تھا تو سب کے سر ہل جاتے تھے۔

(اقتباس از۔شہرت عام اور بقائے دوام)

بظاہر تو نیرنگ خیال کی بیشتر عبارت یا اکثر قصے زبان و بیان کے لحاظ سے عام لوگوں کو ایک خیاتی تصویر معلوم ہوتی ہے مگر دور اندیشی کی آنکھ سے دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کو جس قسم کے ادب کی ضرورت ہے اس کی جا بجا اس میں جھلک موجود و موجزن ہے۔ آزاد کے اسلوب کا یہ بھی طرہ ہے کہ انہوں نے مغربی زبان کے تمثیلی مضامین کو زبان اردو میں ڈھال کر شعراء اور اہل قلم کو ہدایتیں ہیں کہ مشرق زبان والے اردو کے مالک بن کر مغربی خزانوں پر بھی متصرف ہوں۔اس طرح ان دونوں زبانوں کے تجربے سے ایک ایسا سمجھ ہو دریا بہائیں جس سے اپنا ملک سیراب ہو جائے اور اپنی زبان کا خزانہ بھی مالا مال ہو جائے۔ان تمام مطالب کو آزاد نے نظم کے بدلے نثر کا لباس پہنا کر اس طرح پیش کیا ہے کہ نیرنگ خیال کا تخیل اور اس کی نثر نظم کی سرحد کو ٹکراتی ہوئی آگے نکل گئی ہے۔یعنی اگر نیرنگ خیال کے مضامین کو بغور پڑھائے جائے تو ان کے اسلوب میں جگہ جگہ پر نظم کا اسلوب بھی دیکھائی دیگا۔

نیرنگ خیال حصہ دوم میں آزاد کا ایک مضمون ''نکتہ چینی'' شامل ہے جو ابتک کی تحقیق کے مطابق Johnson کے مضمون An Allegory of Criticism کا ترجمہ ہے یہاں جب آزا نکتہ چینوں یعنی تنقید نگاروں پر اپنا غصہ نکالنے کو اترتے ہیں تو ان کا انداز تحریر کیا ہو جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

''کالا ناگ راگ سے پرچ جاتا ہے اور بھونکتا کتا بھی ہڈی سے چپ ہو جاتا ہے۔آج کل کے نکتہ چیں اگرچہ سانپ جنتے دانت بھی نہیں رکھتے مگر اس سے بھی سواز ہرا گلتے ہیں۔اور کتنے کے برابر بھی نہیں کاٹ سکتے مگر پھونکنے میں اس سے بھی کئی میدان پرے نکل جاتے ہیں۔

یہ اسلوب ہر چند کہ جارحانہ ہے لیکن انشائیہ نگاری کے لیے جائز اسلوب مانا جاسکتا ہے کیونکہ انشائیے میں طنز اور مزاح کے عناصر کو یکجا ہونا ہی چاہیے اور یہاں اگر یہ بات کھلتی ہے کہ آزاد کے یہ مضامین ہر چند کے انشائیے نہیں ہیں پر انشائیہ نگاری کے ابتدائی نقوش کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں۔

المختصر یہ کہا جاسکتا ہے شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد کے ان تمثیلی مضامین جسے انشائیہ نگاری کے ابتدائی نقوش سے گردانا جاتا ہے اور بعضوں کے نزدیک تو یہ انشائیے ہی ہیں میں آزاد نے جو اسلوب اختیار کی ہے وہ شاعرانہ اور رنگین تشبیہات و استعارات سے پُر ہے۔ان کی نثر میں روادے شیرینی ہے شگفتگی اور بے ساختگی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔روز مرے، محاورے، ضرب الامثال کا استعمال اس خوش اسلوبی سے کیا گیا کہ نثر میں ایک تخلیقی شان پیدا ہوگئی ہے اور یہ شان آزاد کو ودیعت ایزدی کے طور پر میسر تھی تبھی تو ان کے اسلوب کا چربہ اتارنے والے ادیبوں کی ہمت پست ہوگئی ہے اور آزاد کا اسلوب صرف آزاد ہی کا حصہ رہا۔

۴۔ حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد ایک صاحب اسلوب تخلیقی فن کار تھے۔ان کے اسلوب میں جو معنی آفرینی، دلکشی اور تشبیہ و استعارہ کا جو ہر محل استعمال ہے وہ اس عہد میں تو کیا آج بھی نایاب ہے ہر چند کہ ان کے معاصرین میں کئی نے ان کے

اسلوب کا چربہ اتارنے کی کوشش ضرور کی لیکن ان کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ چونکہ آزاد کے ہم پلہ نہ تھا ایسے وہ پست ہمت رہ گئے۔

۵۔ مقصد مطالعہ:

آج ہم اپنی زبان، اپنے ادب اور اپنی تہذیب سے اس قدر دور ہوتے جا رہے ہیں کہ ہماری پہچان مشکل ہوگئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے وقار گمشدہ کی بازیافت کے لیے ایسی تحریروں کو اپنے مطالعہ میں لائیں کہ اپنی تہذیب اپنی زبان اور اپنے مذہب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لائق رہی اور جارج برنارد شا کا یہ خیال بھی درست ہے کہ جسے زبان نہیں آتی اسے جینے کا حق نہیں

۶۔ مختصر سوالات:

۱۔ اُسلوب کس زبان کا لفظ ہے؟

۲۔ لاطینی اور انگریزی زبان میں اسلوب کے لئے کون سا لفظ استعمال ہوتا ہے؟

۳۔ اَسلوب اور اُسلوب میں کون سا تلفظ درست ہے؟

۷۔ طویل سوالات:

۱۔ محمد حسین آزاد کے اُسلوب میں کیا کیا رنگ پایا جاتا ہے؟

۲۔ اسلوب کیا ہے؟ مثالوں کے ساتھ لکھئے۔

۳۔ محمد حسین آزاد کے اسلوب کی وضاحت کیجئے۔

۴۔ نیرنگ خیال کے ہوالے سے مولانا آزاد کے اسلوب پر تنقیدی نگاہ ڈالئے۔

از : ڈاکٹر حامد علی خاں
شعبۂ اردو، آر۔این۔کالج
حاجی پور (ویشالی)